یکم جنوری ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ

اس شمارے میں

اداریہ

نیا سال نیا عزم

ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو اور سبھی اردو دوستوں کو نیا سال مبارک ہو۔

فروری میں مردم شماری ہوگی، اس کی اہمیت سبھی پر روشن ہے۔ ہر شخص کا فرض یہ ہے کہ وہ مردم شماری کے کارکنوں کو تمام ضروری اعداد و شمار مہیا کرے۔ مردم شماری کے کارکنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو کچھ انھیں بتایا جائے وہی لکھیں، اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کریں خصوصاً زبان کے معاملے میں مردم شماری کمشنر کی واضح ہدایت ہے کہ ہر شخص جو اپنی زبان بتائے وہی لکھی جائے۔ اندراج کی ہر شخص جانچ بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے ایک ضروری بات یہ ہے کہ مردم شماری کی اہمیت کے پیش نظر ہر شخص کو اس وقت گھر پر موجود ہونا چاہئے اور مردم شماری کے کارکن کے لئے وقت نکالنا چاہئے۔ یہ کارکن کا ہی فرض نہیں ہے ہر شہری کا بھی فرض ہے۔ اس کے ذریعہ سے نہ صرف ملک میں مختلف زبانیں بولنے والوں کی صحیح تعداد معلوم ہوگی، بلکہ ایسے حقائق بھی سامنے آئیں گے جو روزگار، تعلیم، حفظانِ صحت اور منصوبہ بندی کے لئے ضروری ہیں اور جن پر ملک کی آئندہ ترقی منحصر ہے۔ اس لئے مردم شماری کے معاملے میں ذرا سی غفلت یا کوتاہی سے بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اردو دوستوں کو خاص طور سے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ملک میں کچھ عناصر ان کے حقوق کی طرف سے بے پروائی ہی نہیں برتتے، ان حقوق کو پامال بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اردو بولنے والوں کی صحیح تعداد اگر سامنے آئے گی تو اس کے ساتھ انصاف کی لے بھی بڑھے گی اور آئندہ اس کی ترقی میں مدد بھی ملے گی۔ یوں تو انجمن ترقی اردو ہند اور اردو کے دوسرے ادارے اس طرف عوام کو متوجہ کر رہے ہیں مگر یہ ہر شخص کا اپنا کام ہے اور اس کے لئے ہر ایک کو اپنے طور پر چوکس رہنا چاہئے۔

ابھی یہ اعلان ہوا ہے کہ مارچ میں لوک سبھا کے عام انتخابات ہوں گے۔ اس میں شک نہیں کہ آزادی کے بعد ہمارے ملک نے خاصی ترقی کی ہے، مگر دنیا کی ترقی کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ ترقی کسی طرح قابل اطمینان نہیں کہی جا سکتی۔ اس وقت ہمارے سامنے سب سے اہم سوال جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا ہے۔ ابھی ہم میں نہ تو جمہوری اسپرٹ آئی ہے نہ ہمارا طریقہ کار صحیح معنی میں جمہوری ہے، ہم نے ابھی تک مذہبی یا لسانی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنا نہیں سیکھا ہے۔ ہمارے یہاں اب بھی فسادات ہوتے ہیں، علاقائی پاسداری، ذات پات کی بنا پر امتیاز، مذہبی منافرت، لسانی عصبیت یہ سب کمزوریاں ابھی ہم میں موجود ہیں۔ ہمیں ان کو جلد سے جلد دور کرنا ہے اور ان کے لئے واحد علاج جمہوریت اور سیکولرزم پر پختہ عقیدہ اور عمل ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج کو بھی دور کرنا ہے اور ایک ایسے سماج کی تعمیر کرنا ہے جس میں ایک طرف بہت مالدار لوگ اور دوسری طرف بہت غریب

لوگ نہ ہوں۔ اس کے لئے ہندوستان کے حالات کے مطابق پر امن طریقے پر سوشلزم لانا ہے۔ غرض جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کی منزل، انھیں میں ہندوستان کی نجات ہے۔ کچھ لوگ موجودہ سیاست سے ایسے بیزار ہو گئے ہیں کہ جمہوریت سے ان کا اعتقاد اٹھ گیا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ بقول چرچل جمہوریت بد ترین طرز حکومت ہے، مگر دوسرے طرز اس سے بھی برے ہیں۔ اس پر لطف جملے کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت میں بہت خرابیاں ہیں، مگر دوسرے طریقوں میں اس سے زیادہ ہی خرابیاں ہیں۔ جمہوریت میں اکثریت کی اہمیت تو واضح ہے مگر جمہوریت کے معنی اکثریت کی آمریت کے نہیں اس میں اقلیتوں کے ساتھ انصاف ہی نہیں ان کا اپنا اطمینان ضروری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے جمہوریت کے نام پر زیادتیاں بھی روا رکھی ہیں۔ مگر جیسے جیسے جمہوریت کا عرفان عام ہوتا جائے گا اور سیکولرزم کو تقویت ملتی جائے گی، مذہبی یا لسانی اقلیتوں کے مسائل کا احساس بڑھے گا اور ان کو مطمئن رکھنے کا جذبہ ترقی کرے گا۔ عوام کو کچھ عرصے کے لئے بہلایا یا گمراہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر بالآخر حقیقت ان پر واضح ہو ہی جاتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اب کے عام چناؤ میں جمہوریت اور سیکولرزم پر عقیدہ رکھنے والی پارٹیوں کو فروغ ہوگا۔ اردو کے ساتھ اب تک جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان سے متاثر ہو کر کچھ لوگ اردو کو مسلمانوں کا مسئلہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اردو ہماری مشترک قومی تہذیب کا نہایت شاندار عطیہ ہے اور گو اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، مگر اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں۔ اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو، سکھ، عیسائی سبھی شریک ہیں، اس لئے اردو کا مسئلہ صرف مسلمانوں کا نہیں ایک قومی مسئلہ ہے، ہاں چونکہ اردو بولنے والوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لئے اس کی بقا اور ترقی کے لئے ان کی ذمہ داری دوسرے فرقوں سے زیادہ ہے اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے انھیں اردو کی تاریخ، اس کی قومی خصوصیات، اس کے مشترک سرمائے کو برابر ذہن میں رکھنا ہے۔ اس لئے اردو کی بقا اور ترقی کے سوال کو ایک قومی سوال کی طرح حل کرنا چاہئے انجمن کا یہی مسلک ہے، انتخابات کے موقع پر کچھ لوگ قدرتی طور پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ہمارا ووٹ انھیں پارٹیوں کو جانا چاہئے جو اردو کو کچھ ریاستوں میں دوسری سرکاری زبان بنانے کا وعدہ کریں۔ ہمارے نزدیک یہ سوال خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے اٹھایا جائے مگر یہ نہ تو موجودہ سیاست سے واقفیت ظاہر کرتا ہے اور نہ عملی طور پر اس کوشش میں کامیابی کا کوئی واضح امکان ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کن پارٹیوں کے اصول جمہوریت اور سیکولرزم پر مبنی ہیں اور کون آگے لے جانا چاہتی ہیں اور ایک منصفانہ سماج کی تعمیر کوشش کر رہی ہیں جس میں اقلیتوں کے ساتھ انصاف کی امید ہو۔ ایسی ہی پارٹیوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ار ساتھ انصاف کر سکیں گی۔ اردو کو کسی مذہب یا کسی سیا پارٹی سے وابستہ کرنا غلط ہوگا۔ یہ ایک قومی زبان اور ہماری کوشش یہ ہونا چاہئے کہ سبھی جمہوری اور سیکو پارٹیاں اس کی بقا اور ترقی کے لئے متفق ہو جائیں تا اردو کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ دور ہو سکے ا اسے وہ تمام حقوق مل سکیں جو دستور نے اسے دیئے

۱۹۷۱ء میں اردو بولنے والوں کی صحیح تعداد کا تع اور اردو دوستوں کا مرکزی حکومت کے لئے مناسب انتخاب، یہ دونوں کام دور رس اہمیت کے ہیں ہمیں ہے کہ اردو دوست ان دونوں معاملوں میں اپنی نظر کی اور اپنے شعور کی پختگی کا ثبوت دیں گے۔

مشہور شاعر حضرت باسط اوجینی کی رحلت

اوجین ۲۷ دسمبر کو مدھیہ پردیش کے ممتاز شاعر حضرت اوجینی کا ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ آپ کا مست قیام بھوپال تھا۔ آپ نے مزدوروں اور غریب طالب علمو رہنمائی کے لئے ہندی اردو کا ایک "نذر داسلی" نائٹ ا قائم کیا تھا آپ کی ادبی سیاسی خدمات کے اعتراف میں ہی میں سنٹرل گورنمنٹ نے آپ کو سو روپے مہینہ وظیفہ دینا تھا۔ آپ نے سماج میں بھلائی اور راحت رسانی کے کئی ک دیئے باسط صاحب نے اپنے پیچھے تلامذہ کا ایک اچھا حلقہ ہے جس میں کئی صاحب دیوان شاعر بھی موجود ہیں۔

آپ نے بھوپال کے دوران قیام میں ایک ادبی انجمن "بزم سخن" کی بنیاد رکھی تھی جس میں بھوپال کے قابل ذکر ادیب اور شعرا شامل رہے ہیں۔ "بزم سخن" کا ایک شعبہ اشاعت ہے جس نے کئی مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کی ہیں۔ آپ میں چار لڑکیاں اور ایک لڑکا اعجاز مخمس موجود ہے۔ اللہ کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

ماہنامہ شاعر کا ناولٹ نمبر

فروری ۱۹۷۱ میں ماہنامہ شاعر ایک ناولٹ نمبر شائع کر میں اردو کے مشہور و ممتاز ناولٹ نگاروں کے تازہ ترین غیر مطبوعہ ۲۰ ناولٹ شائع کئے جا رہے ہیں۔ یہ ناولٹ نمبر تقریباً پانچ سو صفحات پر اور قیمت صرف چھ روپے پچاس پیسے رکھی گئی ہے۔ ملنے کا پتہ: منیجر ماہنامہ شاعر قصر الادب پوسٹ بکس [illegible] بمبئی ۸ بی سی۔

بقلم محمد سحر

دیوان غالب، وید مقدس اور بجنوری

غالب اور ان کے کلام کے بارے میں ناقدین کے کئی اقوال مشہور ہیں۔ بقول ڈاکٹر احسن فاروقی:-

"حیوان ظریف اردو تنقید نگاری کا سب سے الہامی فقرہ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے حالی کی تنقیدی نظر میں غالب کی فطرت کے ... زاویے سے اس طرح آگاہ ... تی ہے جیسا کہ اردو کا ... دوسری تنقیدی فقرہ اب ... تک ہمیں کسی شاعر یا ادیب کی فطرت سے آگاہ نہ کر سکا۔"

"حیوان ظریف" بلاشبہ ... شناسی کا ایک اہم فقرہ ... اس کو اتنی زیادہ اہمیت ... نے ڈاکٹر احسن فاروقی ... اس کا قائل ہونا ضروری ...

... غالب کو نہ معلوم کیا ... کہا گیا ہے مگر سب ... علاوہ حیوان ظریف ... سوا اور کچھ ہیں ہی ... نہیں۔"

اس کے علاوہ الہام کا ... چیز سے پوری طرح ... نے کے بجائے وہ نیم ... ہے جس پر آگاہی بھی قربان ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اگر ... ید کا کوئی قول سب سے الہامی قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ ... کا یہ مشہور قول ہے کہ:-

"ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، مقدس وید اور دیوان غالب!"

اردو تنقید کا شاید ہی کوئی اور قول اس حد تک ہمارے غور و فکر کے لئے اکسا تا ہو جتنا بجنوری کا یہ مختصر سا جملہ اکساتا ... لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی یہ صفت بھی عدیم المثال ہے کہ ہمارا ذوق نکتہ شناسی اس کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔

قدرے تامل اور انحصار سے کام لے کر اگر اسے اردو تنقید کا سب سے مہمل جملہ نہیں تو سب سے مبہم جملہ تو کہا ہی جا سکتا ہے۔ بظاہر بجنوری نے دیوان غالب کی الہامیت کو آشکار کرنے کے لیے ایک پرزور اور چونکا دینے والا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ چونکہ ہندوستان کی دیگر مقدس کتابیں فلسفۂ الہیات اور معرفت کائنات کے ایسے روپ پیش کرتی ہیں جو وید مقدس کی طرح بنیادی اور سب کے لئے قابل قبول نہیں ہیں اس لئے بجنوری نے ان سب کو نظر انداز کر کے صرف وید مقدس کا انتخاب کیا۔ ان کے نزدیک دیوان غالب بھی فلسفۂ الہیات اور معرفت کائنات کی ایسی ہی صفات کا حامل تھا۔ یوں تو اکثر شعرا اپنے کلام کے الہامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں خواہ ان کی شاعری کتنی ہی اکتسابی کیوں نہ ہو کیونکہ شاعروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ شاعری کو الہامی سمجھا جاتا ہے لیکن غالب کو ان شعرا کے زمرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ دیوان غالب کے الہامی ہونے کے بارے میں بجنوری کا یہ قول اس بلند سطح کے عین مطابق ہے جس سے خود غالب نے اپنے کلام کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

اس لئے یہ شکایت تو نہیں کی جا سکتی کہ بجنوری نے دیوان غالب کو مقدس کتاب کیوں قرار دیا، بس اتنی خلش رہ جاتی ہے کہ انھوں نے اس کا سلسلہ وید مقدس سے کیوں ملایا، اور وہ بھی اس طرح کہ ان دو کتابوں کے علاوہ ہندوستان کی کوئی اور کتاب ان سے تقدس کی سند حاصل نہ کر سکی۔

بجنوری پر جب یہ جملہ نازل ہوا تو انھیں اس کی طلسمی کیفیت کا بھی احساس ہوا، چنانچہ انھوں نے اس کی پوری احتیاط برتی کہ اس کا طلسم ٹوٹنے نہ پائے۔ "محاسن کلام غالب" میں اپنے دوسرے دعوؤں

وصی سیتاپوری

غزل

ہو کے مجبور ہم اپنے حالات سے
روشنی مانگتے ہیں سیہ رات سے

مجھ کو ترتیب دینی ہے اک داستاں
غم کے بکھرے ہوئے چند لمحات سے

اس لئے راہِ الفت میں ٹھہرے ہیں ہم
عقل سے کام لیں یا کہ جذبات سے

میرا بڑھتا گیا اعتبار نظر
دور ہوتے گئے وہ حجابات سے

کوئی میرے تقدس کا ضامن تو ہو
یوں کہاں جاؤں بزم خرابات سے

تم جفاؤں سے کیوں باز آنے لگے
کامراں عشق ہے ان روایات سے

بن گیا جیسے طوفان ہی زندگی
اتنا حاصل ہوا انقلابات سے

اب وصیؔ نے تجھے سونپ دی زندگی
کر کے سمجھوتہ آلام و آفات سے

کے ثبوت میں تو دلیلیں اور مثالیں پیش کی ہیں لیکن اس جملے کی تفسیر و تاویل سے عمداً احتراز کیا ہے۔ انھوں نے یورپ کے اس طرز تعلیم سے فیض اٹھایا تھا جو عالمی علوم و فنون اور فکر و فلسفہ کی خاص خاص باتوں سے ایک ذہین طالب علم کو بہت جلد آشنا با خبر کر دیتا ہے کہ وہ ان پر خود اعتمادی سے گفتگو کر سکتا ہے۔ بجنوری نے اس کا ایک غیر معمولی نمونہ پیش کیا جو مسحور کن بھی تھا اور مرعوب کن بھی۔ اپنی تمام رومانیت اور جذباتیت کے باوجود ان کا طرز فکر عموماً استدلالی تھا بلکہ جا بجا انھوں نے اپنے دعووں پر عقلیت کا رنگ چڑھانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اس جملے کے سپرد قلم کرنے میں انھوں نے بالقصد تحیّر کا سوا کوئی اور تاثر ابھرنے نہیں دیا۔ اس پر بڑی حد تک فن کا وہ تصور صادق آتا ہے جسے انھوں نے گوئٹے کے حوالے سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"یہی تاریکی ہی تو ہے جس پر لوگ فریفتہ ہیں۔ لوگ ان متقالات پر لاینحل مسائل کی مثال غور کرتے ہیں اور اپنی ناکامیابی سے نہیں اکتاتے۔ انسانی طلب کی انتہا تحیّر ہے۔ اگر کسی فعل سے حیرت پیدا ہو تو وہ کمال فن ہے اور اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ اس کے پس پشت کیا ہے۔ لیکن بچے آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر حیران ہوتے ہیں تو نادانی سے پشت آئینہ کو بھی دیکھنے لگتے ہیں۔"

ایسی صورت میں یہ سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش کرنا کہ بجنوری کے اس جملے کے صحیح معنی کیا ہیں تقریباً بے سود ہے لیکن یہ سوال دلچسپی سے خالی نہیں کہ دیوان غالب کے مطالعے سے ایک دم ان کا ذہن وید مقدس کی طرف کیونکر منتقل ہوا۔ ان دونوں کا گٹھ جوڑ تمام و کمال ان کے خلاق ذہن کی پیداوار تھا یا اس سلسلے میں ان کو کہیں سے کوئی اشارہ ملا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح دیوان غالب کے بعض الہامات کے ماخذ ہیں اسی طرح دیوان غالب کے متعلق بجنوری کا یہ الہام بھی اپنا ماخذ رکھتا ہے۔

غالب کی زندگی میں دیوان غالب کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے تھے۔ پہلا ایڈیشن ۱۸۴۱ء (۱۲۵۷ھ) میں مطبع سید الاخبار دہلی میں، دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۷ء (۱۲۶۳ھ) میں مطبع دارالسلام دہلی میں، تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸ھ) میں مطبع احمدی، دہلی میں، چوتھا ایڈیشن ۱۸۶۲ء (۱۲۷۸ھ) میں مطبع نظامی کانپور میں، اور پانچواں ایڈیشن ۱۸۶۳ء (۱۲۸۰ھ) میں منشی شیو نرائن کے زیر اہتمام آگرے میں چھپا تھا۔ ان میں سے چوتھے ایڈیشن کو چھوڑ کر دیگر ایڈیشنوں میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر درخشاں کی ایک فارسی تقریظ شریک تھی۔

سرسید نے ۱۸۴۷ء (۱۲۶۳ھ) میں آثار الصنادید شائع کی تو اس میں ایک باب "دہلی اور اہل دہلی کے بیان میں" تھا جس میں انھوں نے غالب اور دیگر مشاہیر دہلی کے علاوہ ضیاء الدین احمد خاں نیر درخشاں کا ذکر بھی کیا تھا اور دیوان غالب پر ان کی تقریظ ان کی فارسی نثر کے نمونے کے طور پر درج کی تھی۔ ۱۸۵۴ء میں سرسید نے آثار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن مرتب کیا تو دہلی اور اہل دہلی سے متعلق باب حذف کر دیا۔ تاہم ۱۸۷۶ء میں اس کا پہلا ایڈیشن بھی دوبارہ مطبع نولکشور سے شائع ہوا۔

غالب کی زندگی میں شائع ہونے والے دیوان غالب کے ایڈیشنوں سے زیادہ آثار الصنادید کے یہ ایڈیشن اب کمیاب ہیں لیکن اس کتاب کا وہ حصہ جو مشاہیر دہلی سے متعلق ہے اختر جوناگڑھی کی تصحیح و تحشیہ سے ۱۹۵۵ء میں تذکرۂ اہل دہلی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ نیر کی تقریظ کا جو متن اس کتاب میں درج ہے وہی اس وقت پیش نظر ہے۔

یہ تقریظ قدیم فارسی طرز میں ہے لیکن اس میں دیوان غالب کی تعریف و تحسین میں ایسے مسلسل پیرائے اور استعارے صرف کیے گئے ہیں جو تنقیدی بصیرت اور نکتہ آرائی سے مملو ہیں۔ اس خیال سے کہ کہیں یہ بلند بانگ ستائش محض عبارت آرائی نہ سمجھی جائے اس میں نیر نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ دیوان غالب کے بارے میں ان کی یہ خامہ فرسائی ذمہ داری کے ساتھ کی گئی ہے۔

"ہاں وہاں ترسم کہ انچہ سرودم زسختہ باشی ہمانا منتخب دیوان اردو زبانست ریختۂ کلک یکی قرتاب خدا ام قسطاس دانش اسطرلاب بینش جوہر آئینۂ آفرینش..."

بجنوری نے اپنے مشہور ترین قول کے علاوہ چند دوسرے جملے بھی بڑے اچھوتے انداز سے لکھے ہیں مثلاً

"لوح سے تمت تک مشکل سے سو صفحے ہیں لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں۔ کونسا نغمہ ہے جو اس زندگی کے تاروں میں بیدار یا خوابیدہ موجود نہیں۔"

"غالب نے بزم ہستی میں جو فانوس خیال روشن کیا ہے کونسا پیکر تصویر ہے جو اس کے کاغذی پیراہن میں منازل زیست قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔"

"مرزا غالب کی عبادت گاہ عرش و کرسی کے سائے میں ہے۔ وہ تسبیح جس پر وہ اسمائے الٰہی کا وظیفہ پڑھتے ہیں صد ہزار دانہ ہے اور وہ دانے اجرام فلکی اور اجسام سماوی ہیں۔"

لیکن یہ انداز بڑی حد تک فارسی کے قدیم انداز تقریظ نگاری خصوصاً نیر کی تقریظ دیوان غالب کی جدید شکل ہے۔ نیر دیوان غالب کو فکر کے قدسی خاندان کی سرو قد حسینہ، حور ا شہزادان معانی کا دلفریب رنگیں زار، پر رونق محل، ہیکل سماوی، بیت اللہ تقدس، صنات اور ارژنگ وغیرہ کہہ کر اس کے جن محاسن کو دلنشیں کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سب سے زیادہ زور تقدس اور الہامیت ہی پر ہے

یہی نہیں بلکہ انھوں نے دیوان غالب کے ایک ایک صفحے کو وید پڑھنے والا برہمن بھی قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"بنامیزد بہی بالا ناظورہ ایست از قدسی خانوادہ فکر سر بر زدہ گرم جلوہ گری، لا ابالی خرام محبوبہ ایست مقنعہ از رخ برداشتہ و دامن بہ کمر بر زدہ در آغاز پردہ دری۔ یوسفستانیست خوانشزادان معانی دردے دوش بدوش۔ جمہر زاریست جلوہ گاہ حیرتیان باختہ ہوش۔ پہنا در پرندیست مانند سپہر ثوابت گوہر آگیں۔ خورنق رونق شادمانیست بازنامہ شکن صد نگار خانہ چیں۔ فرو غانی چراغیست پری پروانہ، سمادی ہیکلے است جز بازوے فرزانہ گوئی میکائیل نوال ہوکلے فراخ سماطے نہادہ است دگرسنہ چشمان سخن را صلائے عام در دادہ، بیت اللہ تقدس معبدیست کہ کلیدش بدست فہم درست دادہ اندرو درش برا حرام ہندان جنود لغز دل کشادہ دمنا تیست یک صنمستان زناربندان خیال وردی جبیں سائی، ارتنگے است بہ نمائش نقشہائے بدیع پشت دست مانی وارژنگ بر زمیں سائی۔ صفحہ ازیں اوراق برہمنے است بید خواں۔ ہر ورق ازیں کتاب موبدے است استاداں، آئینہ خانہ ایست گیتی نما، صفوت کدہ ایست مصفا۔ پردگیانش جلد نشیں سرادق مریم کرداری شوخ چشمانش پردہ در تراز شاہدان بازاری۔۔۔۔"

نیرؔ کے ارشادات کی طرح بجنوری کے مشہور قول کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ دیوان غالب کے مقدس اور الہامی ہونے کا نقش ہمارے دلوں پر بیٹھ جائے۔ نیرؔ نے دیوان غالب کو استعارۃً وید مقدس کہا ہے۔ بجنوری نے وید مقدس کے ساتھ دیوان غالب کو ہندوستان کی دوسری مقدس کتاب قرار دیا ہے۔ نیرؔ اور بجنوری کے انداز ستائش اور اسلوب تراشی کی ان مشابہتوں کے سوا اگرچہ اس کے لئے کوئی اور ثبوت موجود نہیں کہ بجنوری کی قوت آخذہ نے نیرؔ کی تقریظ سے اشارہ لیا ہے لیکن اس تقریظ سے بجنوری کا براہ راست استفادہ کرنا کوئی ایسا امر محال نہیں جسے کسی اور ثبوت کے بغیر تسلیم نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے اور بھی کہ وہ انجمن ترقی اردو کی فرمائش پر دیوان غالب کا ایک نفیس ایڈیشن طبع کرانے کا انتظام کر رہے تھے اور انھوں نے "محاسن کلام غالب" اسی کے مقدمے کے طور پر لکھا تھا۔

▲

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

چیری کا باغ

مصنف: انتون چیخوف
مترجم: زاہدہ زیدی
ناشر: ذاکر باغ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
صفحات: ۱۳۲
قیمت: دو روپے

چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

مصنف: محمد شہاب الدین ندوی
ناشر: فرقانیہ اکیڈمی چک باناور۔ بنگلور نارتھ
صفحات: ۲۲۶
قیمت: تین روپے پچاس پیسے

اسلام اور جدید سائنس

مصنف: محمد شہاب الدین ندوی
ناشر: فرقانیہ اکیڈمی چک باناور۔ بنگلور نارتھ
صفحات: ۳۲
قیمت: چار روپے

آج کا ہندوستان اور چار جہتی دفاع

مصنف: سید اسد حامد
ناشر: مکتبہ رہنمائے انسانیت ناندیڑ
صفحات: ۸۳
قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

انجمن کی دو نئی کتابیں

(۱)

انگریزی ادب کی مختصر تاریخ
ڈاکٹر محمد یٰسین صدیقی
قیمت: دس روپے ۵۰ پیسے

(۲)

تلمیحات و اشارات اقبال
ڈاکٹر اکبر حسینی قریشی
قیمت: بارہ روپے ۵۰ پیسے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مراسلات

اردو کو صنعتی دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کی ضرورت

نظیر اکبر آبادی نے اپنے کلام کی رنگا رنگی اور شدت سے اردو زبان کے دامن کو بہت وسیع کیا۔ خسرو کی طرح وہ بھی اس زبان کے بانیوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اکبر سے لے کر شاہجہاں تک کے مغل بادشاہوں کی راجدھانی آگرے کی زندگی کی گہما گہمی کی جیتی جاگتی تصویر اس نے پیش کی۔ جن کی یہ وفاداری دہلی جیسے عالم میں انتخاب دیار کے رہنے والے میر کے یہاں بھی نہیں ہے بلکہ میر نے تو دہلی سے بیوفائی کی اور وہ لکھنؤ چلا گیا۔ نظیر ۲۲، ۲۳ سال کی عمر تک ہی دہلی میں رہ پایا۔ بیوفائی سے مراد یہ کہ دہلی کی زندگی میں جو تنوع اور رنگا رنگی مغلوں کی دی ہوئی چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور دستکاریوں کی وجہ سے پیدا ہو چکی تھی اس سے متعلق گہما گہمی اور ہما ہمی کی تصویر کشی کی ضرورت اور توقع تھی۔ غالب نے بھی محض غدر ہی کی تصویر کھینچی اور وہ بھی فارسی میں۔ اس لحاظ سے نظیر نے اپنی نظموں سے زندگی کی نشاط انگیز سرگرمیوں کا مرقع پیش کیا، وہ اگر دہلی میں ہوتا تو وہاں کے کرخنداروں کی دیدہ ریزی اور ان کی خوشیوں میں بھی اپنی نظموں کے ذریعہ سے شریک ہوتا اور زبان کے ذخیرہ کو بڑھاتا۔ دستکاریوں کی اہمیت اس لئے مسلّم ہے کہ ان سے تمدن اور شہریت میں اضافہ ہوا۔ یہی تمدن مغلوں کا عطیہ ہے آج کے صنعتی دور میں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ زندگی کی تگ و دو اور برق رفتاری کی عکاسی زبان کے ذریعے سے کی جائے۔ ہمدرد دواخانے والے اپنی دواؤں کے نام جس مناسبت سے تجویز کر رہے ہیں وہ قابل ستائش ہے جیسے جوشینا اور سنکارا۔ بین الاقوامی سطح پر بھی سائنسی تحقیقات کے جلو میں اردو زبان کو بھی چلنا چاہئے خصوصاً لیونا خود کی تحقیقات سے متعلق انگریزی الفاظ ROBOT EXPLORER 'MOONCRAFT 'MOON SCAPE وغیرہ کے مترادف الفاظ اردو میں اختراع کرنے کے لئے ایک کمیٹی متعین کی جانی چاہئے۔ مرادفات بہت آسان ہونے چاہئیں محترم ڈاکٹر عابد حسین صاحب اس ضمن میں گرانقدر خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ چاند گاڑی مناسب مرکب نہیں ہے اس لئے کہ چاند متحرک نہیں ہے یا حرکت میں ممد نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ریل یا بیٹری گاڑی کو حرکت دینے میں ممد ہوتی ہے اور بیل یا گھوڑا گاڑی میں تو بیل اور گھوڑا خود ہی متحرک ہیں۔ اردو زبان کو صنعتی دور کی زندگی کی ضروریات پوری کرنی ہیں اور اس زندگی کی ساری سرگرمیوں کو اردو ادب کا جز بنانا ہے، انجمن خود ہی اس معاملے میں پہلے ہی سے باخبر ہوگی ہی۔

• امیر محمد خاں جامعی

پریم چند اور گئودان

ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے گئودان کے بارے میں واقعی اہم نکتہ پیدا کیا ہے (ہماری زبان ۵ ار دسمبر) اگر پریم چند کا اسلوب اور طرز نگارش زیر بحث ہو تو گئودان کو اردو میں ان کی "تصنیف" نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اگر ناول کی ہیئت اور ساخت یا قصّے کے فنی لوازم موضوع گفتگو ہوں گے تو اسے ان کی تصانیف سے خارج کرنا بھی مشکل ہے۔

اس مضمون میں گئودان کے مترجم کا نام متعدد جگہ اقبال ورما سحر ہنگامی (نون سے) لکھا ہے۔ ایک اشتباہ تو دور ہونا چاہئے کہ یہ سحر (بمعنی جادو) ہے بروزن مہر دوسرے ہنگامی (نون سے) نہیں ہے ہتگامی (تے سے) ہے ہتگام شاید ضلع کانپور میں ایک جگہ کا نام ہے۔

• نثار احمد فاروقی
دہلی۔

انشاء اللہ خاں انشا کے خاندانی حالات کی جستجو

مجھے انشاء اللہ خاں انشا مرحوم کے خاندانی حالات درکار ہیں۔ ۱۹۳۵ء / ۱۳۵۴ھ میں "مخزن محاورات" کے تاریخی نام سے ہدایت اللہ خاں ہدا مرحوم کا دیوان مطبع نظامی لکھنؤ سے "باہتمام مرزا محمد جواد صاحب پروپرائٹر مطبع" شائع ہوا تھا۔ مقدمہ نگار (جن کا نام معلوم نہیں ہوتا) نے ہدایت اللہ خاں کے حالات کے ذیل میں ان کے نواسے جناب سید محمد سعید صاحب (جن کا پورا نام فصیح اللہ خاں عرف محمد سعید ہے) منجّم جو اس وقت تک ہر سال تقویم اپنے نانا کے نام سے شائع کرواتے تھے) اور نواسی زاکیہ بیگم صاحبہ (زوجہ مہاراجہ سر محمد علی محمد خان (کذا) کے سی، آئی، اے، کے سی، ایس، آئی والی ریاست محمود آباد) کا ذکر کیا ہے۔ گذارش ہے کہ اگر حضرات ہذا یا اس خاندان کے کسی دوسرے فرد کی نظر سے یہ سطریں گزریں تو براہ کرم راقم سے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ قائم فرمائیں۔

اس کے علاوہ اگر کوئی اور صاحب اس خاندان سے واقف ہوں تو میری رہنمائی فرمائیں، ممنون ہوں گا۔

• عابد پشاوری شعبۂ اردو، جموں یونیورسٹی جموں

مردم شماری کا ابتدائی کام شروع ہو گیا ہے مکانوں پر نمبر لگ گئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے مکان پر نمبر لگایا گیا ہے یا نہیں اگر نہیں لگا ہے تو اپنی انجمن کی شاخ کے نمائندوں کے ذریعہ سے ضلع کے حکام کو مطلع کیجئے مردم شماری کے کارکن صرف ان مکانوں پر اندراجات کے لئے آئیں گے جن پر نمبر لگا ہے۔

انجمن کی خبریں

کانپور میں مردم شماری مہم

کانپور:۔ انجمن ترقی اردو کے کارکنوں، ادبا، اور شعراء سے گفتگو کرتے ہوئے کل ہند مردم شماری کمیٹی انجمن ترقی اردو (ہند) کی انچارج بیگم سلطانہ حیات صاحبہ نے مردم شماری کی اہمیت پر زور دیا۔

اس موقع پر ریاستی انجمن کے جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں نے ریاستی انجمن کی گشتی حاضرین میں تقسیم کی۔ انھوں نے کہا کہ اردو کے ہمدردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ فروری ۹۱ء میں ہونے والی مردم شماری کے بارے میں مادری زبان کے خانہ میں اردو زبان درج کرانے کی سعی کریں۔ مردم شماری فارم ہندی میں ہے اور اردو اس رسم خط میں لکھا جائے گا اس بات کو بھی عوام کو ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے۔

مقامی شاخ کے انچارج اور ریاستی عاملہ کے ممبر قاضی مختار احمد اور دوسرے کارکنوں نے مردم شماری مہم کو کامیاب بنانے کا وعدہ کیا۔ • قومی آواز

انجمن ترقی اردو کے جلسہ میں مردم شماری کمیٹی کی تشکیل

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی دعوت پر شہر اور ضلع لکھنؤ کے ہمدردان اردو کا ایک نمائندہ اجتماع ممتاز ہائر سکنڈری اسکول میں ہوا۔ جلسہ کی صدارت سید فدا حسین صاحب نے کی۔ جلسہ میں انجمن ترقی اردو لکھنؤ اور اترپردیش کے عہدہ داران کے علاوہ فروغ اردو اور اردو محافظ دستہ کے ذمہ داران، یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ اور مکاتیب کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

جلسہ کی غرض وغایت پر ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے روشنی ڈالی اور اپیل کی کہ مردم شماری کے سلسلہ میں باہمی اشتراک اور تعاون سے کام کیا جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ مادری زبان کے خانے میں صحیح اندراج کیا جائے اور کوئی محلہ کوئی گھر اور کوئی فرد چھوٹنے نہ پائے۔ مادری زبان کا خانہ مردم شماری کے فارموں میں ۱۴ نمبر پر ہے اس خانہ میں مادری زبان اردو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جائے گی اس کا بتانا ضروری ہے۔

بیگم سلطانہ حیات صاحبہ نے بتایا کہ مردم شماری کے فارموں پر دیکھنے کی اجازت خاندان کے سربراہ کو ہے اور سربراہ کوئی بھی ہو سکتا ہے یہ ضروری نہیں گھر کا بڑا بوڑھا ہی سربراہ ہو۔ گھر والے جسے مجاز کریں وہ فارم کو دیکھ سکتا ہے اور اس کی پشت پر دستخط کر سکتا ہے۔ مادری زبان کا مطلب اس زبان سے ہے جسے بچہ کی ماں بولتی ہے یہ ضروری نہیں کہ بچہ اس کو جانتا بھی ہے یا نہیں انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اگر شمار کنندہ غلط اندراج کرتا ہے اور سربراہ کی بات نہیں مانتا ہے۔ غلط اندراج پر سربراہ ہرگز ہرگز دستخط اپنے نہ کرے۔ ڈاکٹر سعید نے کہا کہ سربراہ کو یہ بھی حق ہونا چاہیے کہ شمار کنندہ کے صحت کرنے پر اس تمام کے سامنے دستخط کرے۔ بیگم صاحبہ نے وعدہ کیا کہ وہ ذمہ داروں سے اس مسئلہ پر گفتگو کریں گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مردم شماری کا تمام لٹریچر مردم شماری کے دفتر سے مل سکتا ہے۔

محمد احمد صاحب ادیب نے اردو محافظ دستہ کی جانب سے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ احمد ابراہیم نے کہا کہ ہمیں تمام اردو دوستوں اور انجمنوں کا تعاون درکار ہے۔ شاہد حسین رضوی کارپوریٹر نے طریقہ کار پر روشنی ڈالی۔ سید طاہر حسین، سید فدا حسین، مولوی یونس، امین سلونوی اور دوسرے حضرات نے اظہار خیال کیا اور اس کی نشر و اشاعت پر پورا زور دیا۔ آخر میں مردم شماری کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور اسے مجاز کیا گیا کہ حسب ضرورت اردو دوستوں کا اضافہ کر سکتی ہے۔ کمیٹی کے کنوینر متفقہ طور پر مولانا محمد حسین شمس علوی منتخب کئے گئے۔ ممبران میں ڈاکٹر عبد الاحد خاں خلیل، ڈاکٹر مسعود رغیب حسین، سید فدا حسین، سید طاہر حسین، شریف الحسن صدیقی، امین سلونوی، ڈاکٹر نور الحسن، شاہد حسین رضوی، محمد رفیق، طاہر محسن علوی کاکوروی، محمد یونس، محمد عمر قدوائی، احمد ابراہیم علوی، سلمان عباسی، قمر سبزوانی، سعید الدین، محمد مسلم، شبنم اخلاق درانی اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی شامل ہیں۔ • قومی آواز

ضلع مردم شماری کمیٹی کا قیام

ہیرن پور (منتھال پرگنہ)، مقامی انجمن ترقی اردو کی ایک عام میٹنگ زیر صدارت شری برہم دیو پٹیل بی۔ اے منعقد ہوئی، اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ سارے ضلع میں مردم شماری میں اردو زبان کے صحیح اندراج کے لئے ایک ضلع مردم شماری کمیٹی قائم کی جائے۔ مندرجہ ذیل حضرات عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر:۔ شری برہم دیو پٹیل۔ بی۔ اے

سکریٹری:۔ جناب کمال الدین صدیقی۔ بی۔ اے (آنرز) بی۔ ایڈ

نائب سکریٹری:۔ عبد الودود انصاری

خازن:۔ الحاج امام الدین انصاری

کمیٹی نے یہ بھی طے کیا کہ ضلع کے اہم اردو داں حضرات کی خدمت میں اور انجمن کی شاخوں کو مردم شماری سے متعلق ایک ہدایت نامہ بھی روانہ کیا جائے اور جنوری کے اوائل میں ضلعی کمیٹی کے ارکان ضلع کے تمام شہروں اور قصبوں کا دورہ کرکے مردم شماری کی اہمیت کو واضح کریں۔ • نامہ نگار

اخبار و افکار

الہ آباد میں مردم شماری کمیٹی کا قیام

انجمن امین ادب کی ایک ہنگامی نشست بمکان جناب شمیر انصاری مرزا پوری منعقد ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب نے فرمائی، پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی نے مردم شماری کی اہمیت اور ضرورت پر تقریر فرمائی اور درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں۔

(۱) پچھلی مردم شماری (۱۹۶۱) میں غلط اندراج کی وجہ سے اردو کی تعداد صحیح نہ معلوم ہو سکی اس لئے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا کہ موجودہ مردم شماری کے موقع پر اردو بولنے والے اپنی زبان کے صحیح اندراج پر زور دیں۔

(۲) اندراج میں غلطی ہماری لاعلمی اور تساہلی کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے مردم شماری کے کارکنوں کی بد دیانتی سے بھی اُن دونوں کی روک تھام کرنا ضروری ہے۔

(۳) چونکہ مردم شماری کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ بہت سے علاقوں میں مکانوں پر نمبر بھی لگائے جا چکے ہیں اس لئے ابھی سے نہ صرف شہر کے محلوں میں بلکہ ہر قصبہ اور گاؤں میں ایسے کارکن تیار کرنا ضروری ہیں جو اس کام کی نگرانی کر سکیں کہ اندراج صحیح ہو رہا ہے یا نہیں۔

(۴) مردم شماری کے سلسلے میں جو ہدایات انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں اس کام کو انجام دینے کے لئے مختلف کمیٹیوں کا قیام جو پڑھے لکھے لوگوں کو اس کی اہمیت بتائیں۔ ان پڑھ لوگوں کو یہ بتائیں کہ وہ مادری زبان اردو لکھائیں اور اس طریقۂ کار میں مہارت بھی حاصل کریں جو مردم شماری کی دیکھ بھال کے لئے ضروری ہو گا۔

(۵) ایسے مضامین اور معلوماتی رسالوں کی اشاعت ضروری قرار دی گئی جن سے زیادہ سے زیادہ لوگ مردم شماری کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔

(۶) ایک مختصر کمیٹی منتخب کی گئی جس کے ممبر حسب ذیل ہیں۔ ان کے ذمہ نہ صرف محلہ کی کمیٹیوں کی تنظیم و تشکیل سپرد کی گئی بلکہ قصبوں اور دیہاتوں سے رابطہ قائم کرنے پر بھی زور دیا گیا۔

(۷) ایک ہفتہ کے اندر یہ کمیٹی اپنے کاموں کی روداد عوام کے سامنے پیش کرے۔

(۸) جن دور افتادہ علاقوں میں اب تک کوئی کام نہیں ہوا انھیں بھی چاہئے کہ مذکورہ تجاویز کی روشنی میں اپنے یہاں بھی کمیٹیاں قائم کریں۔

مردم شماری کمیٹی۔ کنوینر، ساحل مانک پوری، معاون، محمود احمد ہنر، شفیق ہمدم، اقبال ماہر۔ • ساحل مانک پوری

ادارۂ بیدار کے انعامی مقابلہ کے نتائج

ادارۂ بیدار حیدرآباد کی جانب سے کل ہند پیمانے پر منعقدہ "مضمون نگاری کے مقابلہ" میں ملک کے بے شمار فنکاروں نے کافی ذوق و شوق سے حصہ لیا۔ ادارہ کے مقرر کردہ پانچ حیدرآبادی ادیبوں نے ججز کے فرائض انجام دئے اور متفقہ طور پر حسب ذیل فنکاروں کو کامیاب قرار دیا۔

- انعام اول: شاہد جمال، مراد آباد، پچاس روپے
- انعام دوم: خواجہ مظہر الدین حبیب بیدر (میسور) ۲۰ روپے
- انعام سوم: مس زہرہ سلطان، ارہا (بہار) ۱۵ روپے

تمام انعام یافتہ فنکاروں کے مضامین اور فوٹو ادارہ کے "ماہنامہ" میں شائع کئے جائیں گے۔ • شعبۂ نشر و اشاعت ادارۂ بیدار

"اردو تلگو عوامی محاذ" ایڈھاک کمیٹی کے صدر کا بیان

حیدرآباد: اردو اور تلگو زبان کی ایک ساتھ ترقی کے لئے قائم کردہ "اردو تلگو عوامی محاذ" کی ایڈھاک کمیٹی کا چیرمین ممتاز طلبہ قائد جناب کے ام عارف الدین کو بنایا گیا ہے۔ جناب کے ایم عارف الدین نے اپنے ایک بیان کے ذریعہ اردو کی ترقی کے لئے انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے کی جانے والی سعی و کاوش کی بھرپور تائید کرتے ہوئے کہا کہ انجمن کا جو کام ہے وہ اپنی جگہ ہوگا ہی لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اردو کی ترقی و ترویج کے لئے اردو والوں کو چاہئے کہ وہ تلگو والوں کو بھی ساتھ لیں اس طریقہ سے کام میں سہولت ہوگی۔

انھوں نے بتایا کہ محاذ کے ہر ایسے رکن کو جس کی مادری زبان تلگو ہوگی اس کے لئے اردو سیکھنا اور جس کی مادری زبان اردو ہوگی اس کے لئے تلگو کا سیکھنا لازمی ہوگا۔ • رہنمائے دکن

مردم شماری کمیٹی رودولی کے عہدے دار

رودولی: مردم شماری سب کمیٹی مرکز ادب (اردو) رودولی ضلع بارہ بنکی کے عہدے داران کا انتخاب کیا گیا۔ ڈاکٹر الطاف حسین حالی صدر، فاروق احمد صاحب نائب صدر، خازن عزیز صاحب، جنرل سکریٹری قاضی حبیب الرحمٰن صاحب، سکریٹری انجم صاحب رودولی، پروپیگنڈہ سکریٹری تقی شبر صاحب، جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے۔ • قومی آواز

اردو کو دوسری علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ

سنگا ریڈی: ضلع میدک کی ممتاز شخصیتوں سیاسی رہنماؤں اور ایڈوکیٹس نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں اردو کو اس ریاست میں دوسری علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ آندھرا پردیش میں تلگو کے بعد اردو بولنے والی لسانی اقلیت آبادی کے اعتبار سے دوسرے درجہ پر ہے اس لئے ضروری ہوگا کہ اردو زبان اور تعلیم کے مفادات کو ضرورت کے مطابق توسیع دی جائے اور سرکاری نظم و نسق میں اردو کے استعمال کو جاری و برقرار رکھنے کے لئے اسے ریاست کی ثانوی سرکاری زبان کا موقف دیا جائے۔ • نامہ نگار

پنجاب میں اردو

چنڈی گڑھ: یہاں پر سردار ترلوچن سنگھ ریاستی نے ایک بیان میں مطالبہ کیا کہ پنجاب میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا جانا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اس سلسلہ میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم کو یادداشتیں پیش کی ہیں۔ • الجمعیۃ

انڈیا آفس لائبریری کے سلسلے میں سمجھوتے کا مسودہ تیار

نئی دہلی: انڈیا آفس لائبریری کے مستقبل کے بارے میں ایک سمجھوتے کا مسودہ مرتب کیا گیا ہے اور بیشتر نکات تینوں متعلقہ یعنی برطانیہ، ہندوستان اور پاکستان کی حکومت کے درمیان طے پاگئے ہیں۔ یہ بات یہاں انڈیا آفس لائبریری کے لائبریرین جناب شیلے آسٹن نے بتائی ہے۔ انھوں نے کہا کہ انڈیا آفس لائبریری اور ہندوستان کی ان ریسرچ لائبریریوں کے درمیان جو ہندوستان سے متعلق خاص مواد رکھتی ہیں۔ مزید تعاون کو فروغ دینے کے لئے انڈیا آفس لائبریری ہندوستانی لائبریرین لوگوں کو وظیفے دے گی۔

جناب آسٹن نے بتایا کہ انڈیا آفس لائبریری ۱۸۰۱ء سے قائم ہے۔ آجکل اس میں پانچ لاکھ سے زائد کتابیں ہیں سنسکرت کے تقریباً ۸ ہزار مسودے اور سرکاری ریکارڈ کے ڈھائی لاکھ مسودے ہیں جو ۴۸ ہزار جلدوں میں ہیں۔ ان کے علاوہ برطانی افسروں اور ہندوستانی مصوروں کی تیار کی ہوئی ۲۷ ہزار تصویریں اور خاکے ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ صرف ہندوستان کے متعلق کتابیں ہیں بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور سابق انڈیا آفس کے سرکاری ریکارڈ بھی ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ حال ہی میں لائبریری نے تقریباً ۳۰ ممتاز شخصیتوں کے جن میں وائسرائے، وزرائے خارجہ اور دیگر فوجی و غیر فوجی افسران شامل ہیں، نجی اور سرکاری کاغذات بھی حاصل کئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا تعلق ہندوستان پر حکمرانی کے سلسلے میں رہ چکا ہے۔ لائبریری کو حال ہی میں لندن کی ایک نئی ۱۴ منزلہ ایئر کنڈیشنڈ عمارت میں منتقل کیا گیا۔ • قومی آواز

انجمن اردوئے معلٰی میں شمیم حنفی کا مقالہ

مورخہ ۱۰ دسمبر ۹۰ء چار بجے شام کو فیکلٹی آف آرٹس لاؤنج میں انجمن اردوئے معلی کی جانب سے ایک جلسہ ہوا جس میں ڈاکٹر شمیم حنفی نے اپنا مقالہ "ابہام کی منطق" پڑھا۔

شمیم حنفی صاحب نے اپنے مقالے میں اشکال و ابہام کے ان مسائل سے بحث کی جنھیں جذباتی تشدد کی بنا پر قاری ابہام سے تعبیر کرتا ہے لیکن تخلیقی عمل اور اس کے فنی اظہار کی مختلف نوعیتیں چونکہ بہرصورت ایک ذہنی عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں اس لئے شاعری کی کوئی بھی مثال اچھی یا بری تو ہو سکتی ہے لیکن مہمل نہیں ہو سکتی۔ اس مقالے میں اردو شاعری کی طویل روایت اور لسانی ہیئت کے قدیم ترین نمونوں کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی گئی تھی کہ ابہام شعری اظہار کا ایک ناگزیر جزو ہے اور اسے کسی مخصوص شاعر یا کسی مخصوص دور کی شاعری سے وابستہ کرنا غلط ہوگا۔ غیر استدلالی علامیت جو اساطیر اور خواب کی اساس ہے شعری عمل میں ہمیشہ واضح طور پر دخیل رہی ہے۔ کسی شعری فن پارے کو سمجھنے کے لئے قاری جو طریق کار عام طور پر اختیار کرتا ہے بیشتر صورتوں میں اس سے تخلیقی عمل کے اساسی پہلوؤں کی نفی ہوتی ہے۔ شعری لسانیات، شعری قواعد، تخلیقی عمل کے پراسرار سرچشمے اور محرکات لفظ اور آہنگ کے ناگزیر رشتوں، الفاظ کے درمیان و تعلق کے تاثرات کو نظر انداز کرکے قاری جب اپنے مخصوص مطالبے، روایت، تہذیبی مزاج، نثری منطق، خارجی مطالبات اور اردو شاعری کے مروجہ اسالیب سے ذہنی اور جذباتی ہم آہنگی کی پروردہ عادتیت کی روشنی میں کسی فن پارہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے تجزیے کے عمل میں قدم قدم پر دشواریاں پیش آتی ہیں۔ عادت ہمیشہ توقعات کے ساتھ کسی شعر یا نظم کا تجزیہ کرتی ہے لیکن غیر رسمی شاعری کا مزاج اور لسانی ہیئت چونکہ بیشتر صورتوں میں غیر متوقع تلازمات اور استعجاب سے معمور تخیلی صداقتوں سے متعین ہوتے ہیں اس لئے قاری شاعر کے فنی عمل کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس ضمن میں تخیلی عمل اور تفہیم و تجزیے کے عمل کے باہمی اختلافات و تصادمات سے متعلق مباحث بھی اس مقالے میں آگئے ہیں۔ شمیم حنفی صاحب نے اردو شاعری کے مختلف ادوار سے مبہم یا مبہم کہی جانے والی شاعری کی مثالیں پیش کرتے ہوئے تخلیقی عمل اور تجزیاتی عمل کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں ان کے مطالعے اور تفہیم کے ناگزیر طریق کار کی وضاحت کی جس کے بغیر معنی کی نئی تہوں کا انکشاف یا شعری تجربے تک رسائی ممکن نہیں۔ شعر کی لسانی ہیئت چونکہ عام لسانی اصولوں سے بعض اوقات الگ ہو کر استعاروں اور علامتوں کے وسیلے سے اپنے تاثر کے اظہار کی نئی راہیں نکالتی ہیں اس لئے قاری کا ذہن الجھ جاتا ہے اور تفہیم دشوار یا ناممکن ہو جاتی ہے۔

روایت یا رسمی اظہار کی نوعیتوں سے انقطاع کے باعث کبھی کبھی شاعری کے غیر رسمی نمونے قاری کے لئے معمہ بن جاتے ہیں لیکن ہر پیچیدگی اپنا جواز رکھتی ہے۔ پہیلیوں اور معموں کی منطق ہمیشہ عقلی ہوتی ہے اس لئے ایسی شاعری کو معمہ یا پہیلی سمجھ کر استدلالی منطق کے ذریعہ انھیں حل کرنا بھی مناسب نہیں بلکہ فن کے بنیادی اصولوں کے پیش نظر تخیلی اور غیر استدلالی عمل کے ان تمام روابط کو سمجھنا بھی ضروری ہے جو شعور یا حسی ارتکاز یا جذباتی شدت کے باعث لاشعور کے پروردہ نظر آتے ہیں لیکن لاشعور بھی چونکہ شعوری تجربوں ہی کی ایک منزل ہے اس لئے اسے سمجھنا ناممکن نہیں بشرطیکہ قاری اپنے تمام ذہنی مفروضات، غیر ادبی تصورات، شعر کی نفی کرنے والے خارجی اصولوں اور عادتیں

کے جبر سے آزاد ہو سکیں گے۔

جناب وحید اختر، جناب منظر عباس، جناب ابن فرید، جناب بشیر بدر، جناب علی اختر خاں، جناب مقبول حسین خاں، اور جناب خلیل احمد فاروقی وغیرہ نے مقالے کے مباحث سے متعلق بعض سوالات کئے اور مقالے پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر شمیم حنفی نے تمام سوالات کا مفصل جواب دیا۔

آخر میں صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر شمیم حنفی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے سرور صاحب نے کہا کہ شمیم حنفی کا مقالہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں ایک اہم مسئلے کی وضاحت بڑے استدلالی ڈھنگ سے کی گئی ہے چنانچہ اس کی حیثیت موضوع پر ایک اضافے کی ہے۔

شمیم حنفی صاحب کے مقالے کے سلسلے میں اٹھائے گئے بیشتر سوالات کے سلسلے میں سرور صاحب نے کہا کہ کسی مسئلے پر اعتراض بڑی مستحسن چیز ہے لیکن معترضین کو چاہئے کہ وہ مسائل پر کھلے دل سے غور کریں۔ مصنف کی باتوں اور اس کی دلیلوں کو پیش نظر رکھیں، رنگین عینک لگا کر موضوع کو دیکھنے سے انصاف کا حق نہیں ادا کیا جا سکتا۔ آپ نے شمیم حنفی صاحب کے مقالے کی اہمیت پر ایک بار پھر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایسا موضوع ہے جس پر لکھنا آسان کام نہیں ہے اور ہمارے مجموعی طور پر لوگ اس مسئلے پر سوچنے کے عادی ہو سکے ہیں۔ اس مقالے کو سننے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کی تیاری میں اپنے ادب اور دوسری زبانوں کے ادب سے بھی استفادہ کیا ہے اس کا انداز بیان اور طریقہ بھی قابل قدر ہے۔

آخر میں سرور صاحب نے کہا کہ حسن صرف مانوس جلوؤں کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک بت ہزار شیوہ ہے۔ اب شاعری کی تحسین میں فوری اپیل کا بھی مسئلہ نہیں ہے۔ خود جمالیاتی حظ تجزیے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اشکال و ابہام کے سلسلے میں جو عمومی اور قطعی بات کہی جاتی تھی اس پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

• قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی سکریٹری انجمن اردوئے معلیٰ

ادبی سنگم" بمبئی

"ادبی سنگم" کا ماہانہ جلسہ اردو کے مشہور شاعر جناب قمر جلال آبادی کی صدارت میں جیجوبی بلڈنگ پٹیا پارک میں منعقد ہوا۔ شعرا میں جناب احسن رضوی نے اپنی دو مرصع غزلیں سنائیں جو زبان و بیان کی دلاویزی کے باعث علامہ آرزو لکھنوی مرحوم کی یاد تازہ کر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی نامور اور ممتاز شعرائے کرام نے اپنا اپنا کلام سنا کر خراج تحسین حاصل کیا۔

"ادبی سنگم" کی یہ نشست اس لئے بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس میں دنیائے شاعری کے دو جدید شعرا جناب ندا فاضلی اور جناب عزیز قیسی بھی موجود تھے۔ ندا فاضلی نے جدید شاعری پر ایک مختصر مگر جامع تقریر کی پھر اس کے بعد اپنی ایک تازہ نظم سنائی۔ یہ نظم اس بدنصیب ماں سے متعلق تھی جس کی نظروں کے سامنے اس کے کلیجے کے ٹکڑوں کو وحشت و بربریت کی آگ میں جھونک دیا گیا۔ اس کے بعد جناب عزیز قیسی نے اپنی شاہکار نظم "ایٹم بم" سنا کر یہ تاثر پیدا کیا کہ موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے اردو شاعری کس تیزی سے ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔

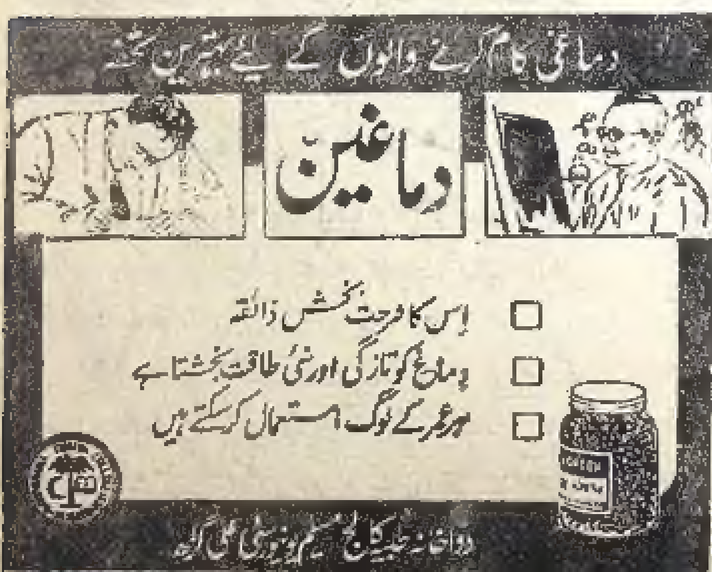
• قیصر عثمانی

اردو اخبارات کو سہولتیں فراہم کی جائیں گی

نئی دہلی:- یہاں بعض اردو اخبارات کے ایڈیٹروں نے مرکزی وزارت اطلاعات و نشریات کے جونیر وزیر جناب اندرکمار گجرال سے ملاقات کر کے ان سے ان مسائل کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا جن سے اردو پریس دوچار ہے۔

بتایا جاتا ہے اردو اخبارات کے ایڈیٹروں نے جناب گجرال سے کہا کہ اردو زبان کے اخبارات ملک کے ترقیاتی پروگرام میں خاطرخواہ کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر انھیں اس بارے میں بہت کم اطلاعات مل پاتی ہیں کہ مذکورہ پروگرام کی رفتار کیا ہے معلوم ہوا ہے کہ جناب گجرال نے ایڈیٹر صاحبان کو یقین دلایا کہ اردو اخبارات پڑھنے والوں کی بہتر خدمت کرنے اور قومی زندگی میں سودمند کردار ادا کرنے کے لئے ان اخبارات کو حکومت کی طرف سے ہر طرح کی مدد دی جائے گی۔ موصوف نے اس کے علاوہ اس بات کا بھی یقین دلایا کہ اردو اخبارات کے ایڈیٹروں کو بچشم خود ملک کے ترقیاتی پروجیکٹوں اور پروگراموں کا مطالعہ کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ ایڈیٹروں نے چند اخبارات کے اوپر چلائے جانے والے مقدمات اور ہم اخبارات کو حکومت کے اشتہارات نہ ملنے کا بھی سوال اٹھایا۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب گجرال نے کہا ہے کہ مرکزی وزیر اطلاعات نے کسی بھی اخبار کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا ہے۔

• سیاست



تبصرے

علیق احتشام صدیقی

نام کتاب: بڑی حویلی۔ صفحات: ۷۸
مصنف: مرزا محمود بیگ۔ قیمت: دو روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔

چبھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے نکیلے جملے، تیکھا انداز بیان، دلی کی ٹکسالی زبان، بات سے بات اور بات میں نکتے پیدا کرنے کا فن۔ یہ نقوش اس مجموعے میں ادھر سے ادھر نظر آتے ہیں مجموعہ ۱۴ خاکوں اور انشائیوں پر مشتمل ہے۔ موضوعات روزمرہ کے ہیں لیکن مصنف کی تیز نظروں نے ان کے اوجھل پہلوؤں کو دیکھا ہے اور انھیں کو روشن کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس صدی میں ہمارے معاشرہ میں اور اس کی اقدار میں جتنی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہوئی ہیں شاید کبھی پہلے نہ ہوئی ہوں گی۔ اقدار کی اس شکست و ریخت میں زوال کی رفتار بھی تیز تر ہو جاتی ہے۔" حمائی جان اور بڑی حویلی" اسی صورت حال کا پر درد قصہ ہے۔ یہاں حمائی جان صبر و ضبط، تحمل و بردباری اور متانت و سنجیدگی کا مجسمہ نظر آتی ہیں۔ بد سے بدتر حالات میں بھی خاندانی وجاہت اور آن بان کو ظاہری طور پر مجروح نہیں ہونے دینا چاہتیں، لیکن حقیقت سے چشم پوشی بھی نہیں۔ بڑی حویلی قدیم اقدار کے ایسے اجزا کی علامت بن جاتی ہے جو تاب مقاومت نہیں رکھتے اور زمانہ کے بے رحم ہاتھوں ایک ایک کرکے پامال ہوتے جا رہے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ بیگ صاحب نے اس موضوع پر بڑی ہی دردمندی سے قلم اٹھایا ہے اور اسی لئے اس مجموعہ کا سب سے عمدہ خاکہ یہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

بعض دوسرے انشائیے روزمرہ کے معاملات سے متعلق ہیں مثلاً مانگے کی گاڑی، سفر کے لطائف، سڑک کے کونے پر وغیرہ۔ ان میں شگفتگی اور محاورہ کا بانکپن موجود ہے۔ اکثر بیانات ضمیر متکلم پر مشتمل ہیں گویا مصنف نے خود پر ہنس کر دوسروں کو خندۂ زیر لب کی دعوت دی ہے۔

▲

ناصر حسین نقوی

- SELECTIONS FROM GHAZALS OF BASHIR BADR
- RAVINDRA KUMAR CHAUDHRI • PRICE Rs.1-4-

زیر تبصرہ کتاب بشیر بدر صاحب کے ۶۴ اردو اشعار کے انگریزی ترجمہ پر مشتمل ہے فاضل مترجم جواہر لال میڈیکل کالج علی گڑھ کے ایک پرانے طالب علم اور فی الوقت میڈیکل کالج اسپتال سے متعلق ہیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ انسانوں کی نبض شناسی کے ساتھ ساتھ ان کو الفاظ کی نبض شناسی پر بھی قدرت حاصل ہے۔ جہاں تک ترجمہ کردہ اشعار کا سوال ہے بلاشبہ ان کو ایک کامیاب ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے خصوصاً انھوں نے اپنے ترجمہ میں جس طرح قوافی کا التزام کیا ہے وہ ان کے انگریزی دانی پر دسترس کا عکاس ہے۔ ہم اس کتابچہ کی اشاعت پر مترجم کو مبارکباد دیتے ہیں۔

اس کتاب کی کتابت، طباعت اور کاغذ معیاری ہے لیکن اس کتاب کی جو قیمت رکھی گئی ہے وہ بہت زیادہ ہے۔

▲

شمیم حنفی

- ویرانیاں
- دور آفریدی، ناشر دور آفریدی محمد عثمان خاں، رامپور، قیمت تین روپے

یہ مختصر مجموعہ جس کی شاعری خود صاحب مجموعہ کے الفاظ میں رومانی، ذاتی اور شخصی ہے اور جدید زبان میں زندگی کی ضرورتوں کی جذباتی زبان میں ہے" اور — "عشقیہ شاعری کے دھڑکتے ہوئے دل کا ایک ٹکڑا ہے دیکھیے (یعنی خود شاعر کو؟ یقین ہے کہ یہ اعلیٰ ہے فرسودہ نہیں)" ایک دلچسپ مقدمے، نظموں، غزلوں اور چند قطعات پر مشتمل ہے۔ مشتے نمونہ کے طور پر ایک نظم کا پہلا بند ملاحظہ ہو:

رکی رکی نظر، ٹھہری ٹھہری ادا
تبسم اک تھوڑا سا رنگ حجاب سا
اور معصوم چہرے پہ لکھا ہوا
آج ہی جیسے کوئی ہو غنچہ کھلا

غزلوں کے دو شعر بھی دیکھیے،

اس نے پی میں نے عالم یہ دیکھا
جیسے مستی میں لہرائے ناگن
میں کرشمۂ صفت ایک انساں
ان کی سیرت کہ جیسے ہو آہن

بقول آثر صاحب مرحوم بقیہ کلام بھی ایسا ہی ہے! اس مجموعے کا انتساب کیٹس اور شیلی کے پرستاروں کے نام ہے کیٹس اور شیلی کے نام بھی ہوتا تو کیا کیا جا سکتا تھا۔

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (منیجر)

خلیل الرحمٰن اعظمی

میرا صفحہ

۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیانی دہائی میں اردو شاعری جن تبدیلیوں سے دوچار ہوئی ہے ان سب کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ یہ نئی شاعری لفظ و معنی کے نئے رشتوں کی شاعری تو ہے ہی مگر اس میں انسانی رشتوں کو بھی نئے سیاق و سباق میں دیکھنے کی کوشش ملتی ہے اس لئے اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہے۔ کسی ایک شاعر کی جو خوبی یا خامی ہو سکتی ہے اسے آپ ایک تعمیم کی صورت دے کر اس دور کی تمام تر شاعری پر منطبق کرنے کی کوشش کریں گے تو ایک ایسی تنقید وجود میں آئے گی جسے کسی اور اصطلاح کی عدم موجودگی میں صرف "منفی تنقید" سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شہریار کی شاعری کو لیجئے۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام "اسم اعظم" ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا، ابھی حال ہی میں ان کا تازہ ترین مجموعہ "ساتواں در" شائع ہوا ہے۔ ان دونوں مجموعوں کے مطالعے کے بعد اگر صرف یہ بات کہی جائے کہ اس شاعر کے یہاں ہمیں ایک نیا لہجہ سنائی دیتا ہے یا اس کی نظموں میں جو جدیدیت ملتی ہے تو بات واضح نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات تو اس دور کے اور بھی شعرا کے بارے میں آسانی کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ مگر جب ہم شہریار کی بعض ایسی نظمیں پڑھتے ہیں مثلاً:

نانی یہ کرم ہیں راتیں
آنکھوں سے کچھ اب مانگیں
خوابوں کے سوا جو چاہیں

یا یہ نظم:

یہ بات روز ازل سے طے ہے
زمین جسموں کا بوجھ اٹھائے گی
آسماں پر رہیں گی روحیں
مگر کوئی ہے جو یہ بتائے
ہماری پرچھائیوں کی قبریں
کہاں بنیں گی؟

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نظمیں نئی شاعری کے کس خانے میں رکھی جائیں؟ ایسی نظمیں اور کن شعرا کے یہاں ملتی ہیں؟ ان نظموں میں ترسیل کی ناکامی ہے یا ناکامیابی؟ ان نظموں میں ہیئت کا کوئی نیا تجربہ، کسی نئے آہنگ کی دریافت، کسی نئے پیکر یا نئے لفظی تلازمے کی تخلیق ملتی ہے؟ اگر ان سوالوں کے دائرے میں یہ نظمیں نہیں آتیں تو پھر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ یہ روایتی انداز کی نظمیں ہیں؟ ان نظموں میں مقصدی، افادی، قومی یا ترقی پسند شاعری کی بازگشت سنائی دیتی ہے؟ ان نظموں پر راشد، میراجی، اختر الایمان، منیر نیازی یا کسی اور شاعر کی چھاپ ہے؟ اگر نہیں تو پھر؟ پھر یہ نظمیں کیوں تازگی کا احساس دلاتی ہیں؟ کیوں ان نظموں کے اختصار میں معنی کی ایک دنیا آباد ہے؟ کیوں یہ نظمیں صرف احساس یا جذبے کی پیداوار نہیں ہیں ان میں فکر کی تہیں اور پرتیں ہیں؟ کیوں ان کی سادگی میں بھی ایک طرح کی پیچیدگی ہے؟

شہریار کو میں اسی لئے اس دور کے شاعروں میں سب سے انوکھا شاعر سمجھتا ہوں کہ ان کی شاعری تمام تنقیدی مفروضوں سے بالاتر ہے، پھر بھی ایک قابل توجہ اور دل پر گہرا اثر کرنے والی شاعری ہے۔ یہ شاعری بھی یقیناً اس دور کے انسان کے روحانی کرب کو پیش کرتی ہے مگر یہ کرب شاعر نے تخلیقی طور پر دریافت کیا ہے اور اس کے یہاں جو ذہنی رویہ ملتا ہے اس کی سمت و جہت کہیں سے برآمد کی ہوئی نہیں ہے۔ ان کی نظموں میں لفظ و معنی کی دوئی ختم ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس لئے اس قسم کی شاعری کے مطالعے کے وقت یہ بات دریافت کرنا بھی مشکل ہے کہ اس میں کتنا حصہ روایت کا ہے اور کتنا تجربے کا؟ تجربہ ہیئت کا ہے یا موضوع کا یا زاویۂ نظر کا؟ پوری نظم ایک ایسی اکائی کی شکل میں نظر آتی ہے جو اپنے وجود کو ہم سے تسلیم کرا لیتی ہے لیکن اس کے اعضاء و جوارح کو الگ الگ دیکھنا قریب قریب ناممکن سا نظر آتا ہے۔

"ساتواں در" کی بعض نظمیں دیکھنے میں ایسی سیدھی سادی لگتی ہیں کہ پہلی نظر میں گمان بھی نہیں ہوتا کہ ان کے پیچھے ایک گہری فکر ہے مثلاً "زوال کی حد" "عہد حاضر کی دلربا مخلوق" "رات دن اور پھر رات" وغیرہ جیسی نظمیں۔ بعض ایسی نظمیں ہیں جو اپنے لہجے سے ہی ایک فلسفیانہ تجسس کا احساس دلاتی ہیں مثلاً "میری زمین" "مشورہ" اور "دانۂ گندم سے دوری" وغیرہ مگر ان نظموں میں ایسی بھرپور شعریت موجود ہے کہ ان کے اصل مفہوم تک پہنچے بغیر بھی ہمیں ایک طرح کی لذت حاصل ہو جاتی ہے۔

"ساتواں در" ایک ایسا شعری مجموعہ ہے کہ اس کے سرورق سے شہریار کا نام حذف کر دیا جائے تو بھی اس مجموعے کا دعویدار کوئی دوسرا شاعر نہیں ہو سکتا۔ ایسی شاعری شہریار کے علاوہ کوئی اور شاعر نہیں کر سکتا۔

▲

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L. 922   فون نمبر ۲۹   R. NO. 22196/57